مختصر تعارف حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب، نور اللہ مرقدہٗ کی پیدائش ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ ۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء ہے۔ جائے پیدائش دیوبند کا محلہ سرائے پیرزادگان ہے تاریخی نام "مظفر میاں" ہے، (عمر مبارک ۷۴ سال ہوئی)۔

خاندان اور نسب

سادات دیوبند کے خاندانوں میں یہی خاندان سب سے قدیم ہے۔ گیارہویں صدی کے اوائل میں جد امجد سید ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند قیام فرما ہوتے تھے، یہ جہانگیر کا دور تھا۔ ان کی وفات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی اور محلہ "سرائے پیرزادگان" میں ہی مدفون ہوئے۔

اس خاندان کے حالات "تاریخ دیوبند" میں بھی دیئے گئے ہیں، نیز دیوبند سے ایک رسالہ "تذکرہ سادات رضویہ" کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں شجرۂ نسب بھی ہے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے درمیان چالیس واسطے ہوتے ہیں۔ اس طرح:

مولانا سید محمد میاں[۱] ابن سید منظور محمد[۲] ابن سید یوسف[۳] علی ابن سید محمد علی[۴] ابن سید ظہور[۵] ولی ابن سید محمد فردوس[۶] ابن شاہ شبلی[۷] ابن بندگی محمد اسمٰعیل ابن سید محمد ابراہیم[۸] ابن سید سعد اللہ[۹] ابن سید محمود[۱۰] قلندر ابن سید احمد[۱۱] ابن سید فرید[۱۲] ابن سید وجیہہ الدین[۱۳] ابن سید علاء الدین[۱۴] ابن سید احمد[۱۵] کبیر ابن سید شہاب[۱۶] الدین ابن سید حسین[۱۷] علی ابن سید عبد الباسط[۱۸] ابن سید ابو[۱۹] العباس ابن سید اسحاق[۲۰] عندلیب الملکی ابن سید قاری حسین[۲۱] علی الہادی

ابن سید لطف اللہ ابن سید تاج الدین احمد ابن سید حسین ابن سید علاء الدین ابن سید
ابو طالب ابن سید ناصر الدین احمد ابن سید نظام الدین حسین ابن سید موسیٰ ابن سید
محمد الاعرج ابن سید ابی عبد اللہ احمد ابن سید موسیٰ المبرقع ابن الامام محمد تقی ابن الامام
علی رضا ابن الامام موسیٰ کاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد باقر ابن الامام
زین العابدین ابن الامام ابی عبد اللہ الحسین ابن سیدنا علی و سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ عنہم بنت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

اس شجرہ میں سید حسین علی بن عبد الباسط حمص شام سے ترکِ وطن کر کے اُوش چلے گئے۔ وہاں سے دہلی آئے پھر حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا سے مرید ہوئے۔ کسب فیض کیا اور حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر مشائخ سے کسب فیض کیا ان کے ساتھی رہے پھر سندھ کے قدیم شہر بھکر[1] میں اقامت گزین رہے اور وہیں بعہد سلطان جلال الدین خلجی وفات پائی۔ ان کا سالِ وفات ۶۹۵ھ ہے (حضرت بابا کا سالِ وصال ۶۹۰ھ) پھر انکی اہلیہ اپنے دو خورد سالہ بچوں شہاب الدین وغیرہ کو لے کر حمص واپس چلی گئیں۔ اُوش فرغانہ کے علاقہ میں واقع ہے یہی ظہیر الدین بابر کا بھی وطن تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی۔ تذکرہ سادات رضویہ دیوبند، ص ۳ و ۴۔

[1] معلوم ہوا ہے کہ سکھر کے قریب بھکر موجود ہے۔ مگر اب وہ ایک گمنام بستی ہے۔

تعلیم | دادا جان سید منظور محمدؒ محکمہ انہار میں ملازم تھے۔ قیام دیہات میں رہتا تھا۔ اس لئے آپ نے قرآن پاک کی تعلیم اور ابتدائی فارسی باہر ہی پڑھی، پھر دادا جان (سید منظور محمد رحمۃ اللہ علیہ) نے متعلقین کو دیوبند ہی بھیج دیا تاکہ تسلسل کے ساتھ تعلیم حاصل ہو سکے ۱۹۱۶ء کے قریب دارالعلوم دیوبند میں درجات فارسی میں آپ داخل ہوئے۔ فارسی کی تکمیل کے بعد درجات عربی میں داخل ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء میں فراغت ہوئی دورۂ حدیث علامہ عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھا۔ ازہر شاہ صاحب قیصر مدظلہم نے دارالعلوم کے اداریہ میں لکھا ہے کہ

"آپ کو محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ (م ۱۳۵۲ھ) سے شرف تلمذ تھا۔ بلکہ ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ علمی ذوق و شوق استاذ محترم سے ورثہ میں ملا تھا۔"

تدریسی خدمات

مارچ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا اجلاس زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوا تھا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور دار العلوم دیوبند کے جملہ اکابر اس میں شامل ہوئے، واپسی پر مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کے ارکان نے صدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت علامہ کشمیریؒ سے ایسے مدرس کی فرمائش کی جو عربی تقریر و تحریر کی مشق اور خصوصاً فن ادب کی اونچی کتابیں پڑھا سکے۔ حضرت موصوف دیوبند واپس ہوئے تو شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے مشورہ سے اس کے لئے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا گیا۔ وہاں آپ نے تقریباً ساڑھے تین سال قیام فرمایا۔ اول اول کچھ مشکلات پیش آئیں۔ پھر نہ صرف مدرسہ کے حضرات بلکہ شہر کے بھی بہت سے حضرات مانوس ہوگئے۔ صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء اور بزرگوں سے بھی تعارف ہوگیا۔ لیکن آپ خود اس مدرسہ سے خاطر برداشتہ رہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی، یہ دونوں باتیں دار العلوم دیوبند کے اصول کے خلاف تھیں۔ آپ کے اکابر جو دار العلوم کے بااثر اور بارسوخ حضرات تھے۔ انہوں نے اگرچہ وقتی طور پر آپ کا وہاں انتخاب فرما دیا تھا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ کچھ عرصہ اگر وہاں اور قیام رہتا تو شمس الھدیٰ پٹنہ میں پروفیسر ہوسکتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ پروفیسر ہونے کے بعد پرنسپل بھی ہو جاتے۔ کیونکہ وہاں تعلقات کا دائرہ وسیع ہوگیا تھا اور وہاں کی پرنسپل شپ کے لئے کسی ڈگری کی ضرورت نہ تھی۔ اس زمانہ میں مولانا محمد سہول صاحب پرنسپل تھے جو صرف دار العلوم دیوبند کے

فاضل تھے اور دیوبند وغیرہ میں باثر استاد رہ چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی ڈگری تو کیا ہوتی وہ بظاہر انگریزی کے حروف سے بھی واقف نہ تھے۔ لیکن والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی ایسے مدرسہ کے خواہاں تھے جو دارالعلوم دیوبند کی طرح سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک ہو۔

حسنِ اتفاق کہ جامعہ قاسمیہ[1] مدرسہ شاہی مرادآباد میں ایک ایسے استاد کی ضرورت ہوئی جو درجاتِ علیا کی تعلیم دے سکے۔ اور دیوبند کے اکابر خصوصاً حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کو تجویز فرمایا اور سفارش فرمائی۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے اس سفارش کی تائید فرمادی اور والد صاحب کو تحریر فرمایا کہ اب ایسے مدرسہ میں بھیجا جارہا ہے جو علم کا مرکز ہے"۔

ایک مرتبہ کچھ واقعات ذکر فرمارہے تھے۔ ان میں ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہما دونوں ہی میرے شفیق اُستاد تھے اور دونوں ہی سے ان کی کتابیں اور فنون یکساں محنت سے پڑھتے تھے (زمانۂ تعلیم میں حصولِ علم میں غایت درجہ انہماک و اوّلیت اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی تھی) لیکن فراغت کے بعد حضرت حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی رائے یہ

---

[1] جامعہ قاسمیہ مرادآباد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کا قائم کردہ ہے۔ اس کا نام حضرت نے مدرسۃ الغربا رکھا تھا جس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی اپیل پر جس نے سب سے پہلے چندہ دیا تھا وہ کوئی نیک بخت مسافر تھا۔ پھر حضرت کی نسبت سے اس کا نام جامعہ قاسمیہ ہوگیا۔ اور چونکہ یہ مدرسہ شاہی مسجد میں تھا اس لئے اسے شاہی مدرسہ بھی کہا جاتا ہے اور مدرسہ میں جو نام کندہ کرایا گیا ہے یہ ہے۔ "مدرسۃ الغربا جامعہ قاسمیہ واقع شاہی مسجد" یہ مدرسہ ۱۲۹۶ھ ماہ صفر (۱۸۷۹ء) سے جاری ہوا۔ سب سے پہلے مدرس مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی تھے جو مولانا رحمت اللہ صاحب کے شاگرد رشید تھے ان کی تنخواہ ۲۵ روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی (ازروداد ۱۲۹۶ھ) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے

بقیہ ... اگلے صفحہ

کہ دارالعلوم دیوبند ہی میں پڑھانا چاہیئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بالکل مجبور ہوا کہ مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دوں (غالباً حضرت العلامہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان پر) اس لئے آرہ ٹمپنہ صوبہ بہار پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن فرماتے تھے کہ "ایک استاد کی صرف ایک بات کو ترجیح دینے کا یہ اثر ہے کہ ان سے پڑھی ہوئی کتابیں ہی ہر جگہ پڑھانے میں آتی ہیں اور دوسرے استاد مکرم سے پڑھی ہوئی کتابیں کم آتی ہیں حالانکہ میں نے سب کتابیں یکساں محنت سے پڑھی ہیں"

اگرچہ وہ یہ سبق دینا چاہ رہے تھے کہ استاد کی خوشنودی کا کتنا بڑا اثر ہوتا ہے اور ذراسی بھی کبیدگی خاطر کا کیا اثر ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے حصولِ علم کے لئے کتنی محنت اور جاں فشانی کی تھی کہ اساتذہ کے اتنے عزیز

(حاشیہ صفحہ گزشتہ سے آگے) ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ کا سالانہ امتحان لیا تو تعلیمی حالت سے خوش ہو کر فرمایا "اگر چند سال ایسی صورت رہی تو یہ مدرسہ تمام مدارس عربیہ میں مثل مدرسۂ دیوبند نہایت نام آور اور مشہور ہوگا"۔ (از روداد مدرسہ ۱۳۰۰ھ) اس مدرسہ سے بہت بڑے بڑے حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ابن حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، ریاض الدین صاحب افضل گڑھی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی قاضی القضاۃ غزنی محمود طرزی وزیر اعظم افغانستان۔ اپنے مفتی حضرت مفتی محمود صاحب اور دیگر بہت بڑے بڑے اکابر اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہیں، حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا صدیق صاحبؒ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ بظاہر حضرت نانوتویؒ کے مراد آباد سے تعلق کا یہی قوی سبب تھا اسی لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا صدیق صاحبؒ کے زمانہ سے لیکر ان کے پڑپوتوں کے زمانہ تک ہمیشہ ان کے اسی مکان میں محلہ "بغیچہ" میں قیام فرماتے رہے۔ حالانکہ مکان نہایت خستہ ہو چکا تھا۔ اور ٹھہرنے کے لئے عمدہ سے عمدہ انتظام ہو سکتا تھا۔

ہو گئے تھے کہ ان کیلئے ہر ایک اپنی رائے اور خواہش رکھتا تھا! ورشاید اسی لئے حق تعالیٰ نے مرادآباد میں ترمذی شریف، بیضاوی، جلالین، ہدایہ آخرین اور ادب کی تمام کتابیں پڑھانے کا موقع بخشا۔ اگرچہ منطق میں ملا حسن بھی پڑھائی اور آخری دور میں وفات تک پھر حضرت شاہ صاحب اور مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی کتابیں بخاری شریف، ترمذی شریف ہدایہ آخرین پڑھانی نصیب ہوئیں۔

افتا جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں مستقل حیثیت سے دارالافتاء نہ تھا۔ یہ حضرت والد محترم نور اللہ مرقدہٗ نے قائم فرمایا۔ مرکزی نظامت جمعیۃ و قیام دہلی کے دوران بھی ملی و مذہبی مسائل فتاویٰ کا کام جاری رہا۔ مباحث فقہیہ کے لئے ایک ادارہ قائم فرمایا۔ پھر عمر کے بالکل آخری حصہ میں مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث وصدر مفتی رہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ غیر متعلق کتابیں بھی یاد تھیں میں نے ان سے صرف ایک کتاب پڑھی ہے "مقامات حریری، ورنہ ادب کی تعلیم مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی ہے' لیکن اگر میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے "مقامات" نہ پڑھتا تو لغت میں وقت نظر جو ہمارے ہند و پاک کا خصوصی حصہ چلا آرہا ہے نہ پیدا ہوتی۔

"مقامات" پر والد صاحبؒ کی تعلیقات ہیں جو بیشتر فقہ اللغۃ للثعالبی سے لی گئی ہیں۔ لیکن یہ سب ان کو اتنی یاد تھیں کہ مطالعہ کے لئے صرف ایک نظر ڈالا کرتے تھے اور اثناء درس تمام تفاصیل دہرا دیا کرتے تھے جو ازبر تھیں اسی طرح اور بھی درسی کتب پر تعلیقات ہیں جو انھوں نے پڑھائی ہیں۔ ان کے علاوہ کافی ضخیم نوٹ بکیں علیحدہ ہیں۔

دوپہر کے وقت گھر جانے کے بجائے۔ جو محلہ مغل پورہ مرادآباد میں تھا مدرسہ ہی میں وقت گزارتے اور افتاء کا کام انجام دیتے۔ میں گھر سے کھانا لے آتا تھا۔ کھانے کا وقت بھی ڈبل کاموں میں صرف فرماتے تھے کہ ظہر کے بعد کے اسباق کا مطالعہ ساتھ

ساتھ فرماتے۔ انہیں شام کے سبق پڑھانے کے لئے اتنا مطالعہ کافی ہوتا تھا۔
اور صبح کے وقت کے اسباق کا مطالعہ نماز فجر کے بعد تلاوت و ذکر بارہ تسبیح
سے فراغت کے بعد چائے پیتے وقت فرماتے تھے۔ میں نے والد صاحب رحمۃ اللہ
علیہ سے کبھی کبھی مختلف کتابوں کے مقامات بھی حل کئے ہیں۔ جنہیں وہ بلا مطالعہ
ہی زبانی حل کرا دیتے تھے اور وہ استاد کتاب سے بہتر طرح حل ہوتا تھا۔ میں نے
بھی تقریباً تمام ہی کتابیں جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں پڑھی ہیں۔ شمس بازغہ۔ شرح چغمینی
شرح عقائد دوانی توضیح تلویح حضرت مولانا عجب نور صاحب رحمۃ اللہ علیہ
سے پڑھنے کا موقع ملا۔ سال سے کچھ زیادہ عرصہ دیوبند میں پڑھتا رہا ہوں۔

آغاز جدوجہد آزادی وسیاست

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مارچ ۲۸ء میں مدرسہ شاہی
پہونچے۔ ان کی تحریرات میں ہے کہ "مدرسہ شاہی کی فضاء مزاج کے موافق مل گئی کہ
دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک
تھا۔ اس مدرسہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
تھے جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہوئے
مولانا موصوف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے خاص شاگرد
اور سیاسی خیالات میں انکے پختہ معتقد تھے۔ اگرچہ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ
سے بھی پڑھی تھیں۔ تحریک خلافت میں اگرچہ جیل نہیں گئے مگر کام بہت کیا تھا زیادہ تر آپ ہی کی خدمات
تھیں جنکی وجہ سے مدرسہ شاہی نے سیاسی تحریک کے سلسلہ میں خاص امتیاز حاصل کیا۔
یہ وہ زمانہ تھا کہ سائمن کمیشن ہندوستان پہونچکر ناکام واپس ہوا تھا اور تقریباً
سات سال کی خاموشی کے بعد جب ۳۹ء شروع ہوا تو ہندوستان میں مختلف
تحریکوں نے جنم لینا شروع کیا۔ اس وقت ولبھ بھائی پٹیل اور گاندھی نے تحریک شروع
کی تھی۔ لہذا یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے جمعیۃ علماء ہند نے اس سوال

۱؎ ۳۲ء ہی میں حضرت اقدس مولانا مدنی قدس سرہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث
کے عہدہ پر تدریسی فرائض انجام دینے کے لئے تشریف لاتے۔

پر غور کرنے اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے امروہہ میں اجلاس کیا۔ مولانا معین الدین صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اس اجلاس کے صدر تھے۔

مسلمانوں میں ایک جماعت وہ تھی جو تحریک آزادی میں شرکت سے پہلے ہندو مسلم معاہدہ کو ضروری سمجھتی تھی، لیکن دوسری جماعت جن کی سربراہ جمعیت علماء ہند تھی اس کا یقین تھا کہ جدوجہد آزادی ایسا فرض ہے جو دوسرے برادرانِ وطن سے زیادہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ برادرانِ وطن اس کو صرف سیاسی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے لئے اس کی نوعیت مذہبی مسئلہ کی بھی ہے۔ جس کا مدار کسی معاہدہ پر نہیں ہے۔ اگر کوئی اور معاہدہ نہ بھی کرے تو بھی وجوب رہے گا۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ برطانیہ کے سیاسی اقتدار بلکہ اسکی سیاسی جبروت کے دور میں کسی متفقہ معاہدہ کا تصور جوئے شیر کے تصور سے کم نہیں ہے، چنانچہ جیسے ہی جمعیۃ علماء ہند نے امروہہ میں اجلاس عام کا اعلان کیا دوسری جماعت جمعیت علماء اسلام کے نام سے کھڑی ہوگئی اور اس نے بھی ان ہی تاریخوں میں امروہہ میں اپنی جمعیت کا اجلاس کیا۔"

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ شاہی مراد آباد میں کام کرتے ہوئے ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ سیاسی فضا میں یہ گرمی پیدا ہوگئی۔ اسی سال جب جمعیۃ علماء مراد آباد کا انتخاب ہوا تو آپ کو نائب ناظم بنا دیا گیا۔

کچھ روز بعد جمعیۃ علماء ہند نے شاردا ایکٹ کی تحریک چلائی تو آپ نے پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیا۔ حتیٰ کہ موٹو وغیرہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے۔ ضابطہ کے لحاظ سے جمعیت علماء ہند کے اجلاس میں شرکت نہیں فرما سکتے تھے کیونکہ اس کے رکن نہیں تھے لیکن بہرحال شرکت کا موقع ملا۔ علماء کی بحثیں سنیں۔ کچھ قانون داں وکیل اور ایک بیرسٹر صاحب اور ایک بڑے عالم[1] جو سرکار کے حامی تھے۔ صدر کی اجازت سے وہ بھی اجلاس میں شریک ہوتے۔ اور جناب صدر نے ان کو بھی بحث میں حصہ لینے کی اجازت دی انہوں نے کانگریس کے خلاف تقریریں کیں

---

[1] ان کا نام والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر نہیں فرمایا۔ ۱۲

اور یہ کہ مسلمانوں کو اس میں حصّہ نہ لینا چاہیئے۔ ان کے پیش کردہ دلائل ان کی نظر میں مضبوط ہونگے" مگر والد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے نہایت لچر معلوم ہوتے"۔ نیز تحریر فرمایا ہے کہ:

"جمعیت علماء کے ارکان میں سے حضرت سید سلیمان ندوی اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی تقریروں نے مجھے متاثر کیا۔ سید صاحب کی تقریر تاریخی اور سیاسی نوعیت کی تھی۔ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ مدنی نے مذہبی حیثیت سے روشنی ڈالی تھی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس تجویز کے محرک تھے آخر میں ان کی تقریر بھی ہوئی مگر وہ اس وقت اتنے اونچے درجہ کے مقرر نہیں تھے۔ رات کو جلسہ عام ہوا جس میں مولانا شاہ عطاء اللہ صاحب بخاریؒ کی تقریر ہوئی۔ غالباً تین گھنٹے تک وہ تقریر جاری رہی معلوم ہوتا تھا کہ آگ کے شعلوں کی بارش ہو رہی ہے۔ چیرز نہیں ہوتے تھے بلکہ مضطربانہ نعرے بلند ہوتے تھے۔ کچھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی بہر حال میں جذباتی لحاظ سے اس تقریر سے متاثر ہوا۔

اجلاس ختم ہوا تو میں مراد آباد واپس ہوا۔ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی مراد آباد تشریف لائے۔ میں نے چاہا کہ اجلاس اور جلسہ کی ہماہمی کے علاوہ سکون اور اطمینان کی صورت میں بھی حضرت شیخ سے استصواب کروں۔ چنانچہ احقر نے تنہائی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ کیا مجھے کانگریس میں شریک ہو جانا چاہیئے اور تحریک میں حصّہ لینا چاہیئے۔ مولانا کا جواب لامحالہ اثبات میں تھا مزید فرمایا۔ یورپ خصوصاً برٹش نے دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے تسلط اور چیرہ دستی کے شکنجہ میں کس رکھا ہے اور برٹش کی یہ طاقت ہندوستان کی وجہ سے ہے۔ ہندوستان پر برٹش کی گرفت کچھ بھی ڈھیلی پڑتی ہے تو ان کمزور ممالک پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور انہیں سانس لینے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت شیخ کے اس ارشاد کے بعد احقر کو پوری طرح انشراح ہو گیا۔

چنانچہ حضرت مولانا فخرالدین صاحب کا دست و بازو بن کر تحریک میں کام شروع کر دیا۔ چند روز میں پورے مراد آباد میں تحریک چھا گئی۔ اور صوبہ سرحد کے بعد صرف ضلع مراد آباد کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہاں کانگریس پر مسلمان چھائے ہوئے تھے۔

مجاہدانہ کارنامے اور شجاعت سنہ ۳۰ء میں مراد آباد کے الیکشن میں جو ٹاؤن ہال میں ہو رہا تھا۔ پولیس نے مجمع پر گولی چلائی۔ لاٹھی چارج کے بعد گھوڑے دوڑا دیئے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی میدان میں تھے اور آخر تک رہے خدا کی حفاظت تھی کہ عجیب و غریب طرح گھوڑوں کی ٹاپوں اور فائرنگ کی گولیوں سے بچے۔ فائرنگ بند ہوگئی تو زخمیوں کو اٹھوایا۔ عبدالغنی ایسا مجروح ہوا کہ جاں بر نہ ہو سکا۔ دوسرے زخمی اچھے ہوگئے۔ والد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ پشاور میں قصہ خوانی بازار کے فائرنگ کے بعد یہ یو۔پی میں پہلا فائرنگ تھا۔ والد صاحبؒ کی صحت نہایت اچھی تھی۔ ورزش کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھتے تھے۔ تسلسل کے ساتھ تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت (ذکر جہر وغیرہ) میں مشغولیت سے کوئی امر مانع نہیں ہوتا تھا۔

قید و بند سنہ ۳۲ء میں جیل جانا ہوا۔ رہائی کے بعد مراد آباد میں کرایہ پر مکان لیا اور سب اہل خانہ کو محترم دادا جان اور دادی صاحبہ سمیت دیوبند سے بلا لیا۔ میں نے دیوبند میں جناب مولانا قاری اصغر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الف با کا قاعدہ شروع کیا تھا۔ مراد آباد آنے پر قرآن کریم شروع کیا۔

سنہ ۳۹ء میں جرمنی کی جنگ شروع ہوئی۔ اسی زمانہ میں آپ نے مشہور کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" تحریر فرمائی۔ جو ضبط کر لی گئی۔ خانہ تلاشی بھی لی گئی۔ پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ آپ کو گرفتار کر لیا گیا مگر ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ آپ کے پیش نظر شاندار ماضی کی تصنیف کے دو مقصد تھے۔ اول یہ کہ سیاسی تحریک میں علماء کی شرکت کو علماء کی

شان کے خلاف ایک طرح کی بدعت قرار دیا جا رہا تھا۔ اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے کہ علماء نے ہر دور میں اسی دور کی سیاست کے مطابق عملی حصہ لیا اور سزائیں بھگتی ہیں۔ لہٰذا اس دور میں اسی دور کے تقاضہ کے مطابق تحریک میں حصہ لینا علماء کی شان کے خلاف نہیں، بلکہ ان کی تاریخی روایات کو زندہ کرنا ہے۔

دوسرا مقصد تحریکِ آزادی کو تقویت دینا تھا۔ اس لیے ان مظالم کی تاریخ بیان کی گئی تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے آغاز سے اس وقت تک انگریزوں نے کیے تھے اس مقدمہ کے اختتام پر تابرخاستِ عدالت سزا ہوئی۔ یہ مقدمہ مراد آباد میں ہوا تھا۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً سولہ سال مراد آباد رہے اور جماعتی کام اور تصنیف اسی دور میں شروع فرمائیں۔ اس لیے عموماً لوگ انہیں مراد آبادی سمجھنے لگے۔ ان سے اہلِ مراد آباد کے تعلق کا یہ حال تھا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو "مراد آباد کا بے تاج بادشاہ" فرمایا کرتے تھے۔

مصروفیات کے باوجود ہر وقت لکھتے رہنے کی وجہ سے حضرتِ اقدس مدنی ؒ نے انہیں ایک دفعہ "حیوانِ کاتب" فرمایا۔ منطق میں انسان کی تعریف میں کہ وہ کیا ہے "حیوانِ ناطق" کہا جاتا ہے۔ آپؒ نے اسے ازراہ تلطف والد صاحبؒ کے لیے بدل کر "حیوانِ کاتب" فرمایا۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے بھی اسی دور میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہی سے ادب کی کتابیں اور ترمذی شریف پڑھی ہے۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ والد صاحبؒ کے بکثرت لکھنے کی عادت پر فرماتے تھے کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد کا قاعدہ ان کے یہاں منقوض تھا وہ سبق پڑھانے پڑھاتے بھی لکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ شاندار ماضی کی تحریرات میں بھی صاف کر کے رمبیضہ لکھتا رہا ہوں۔

جیل خانے یا عبادت گاہیں ان حضرات کے مشاغل کی ایک جھلک: ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۴ء تک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ چار مرتبہ مراد آباد سے ایک مرتبہ دہلی سے گرفتار ہوئے۔ بامشقت سزا بھی دی گئی۔ جیل ہی میں حفظِ قرآن پاک شروع کیا۔ سولہ پارے متعدد جیلوں میں یاد کیے۔

۹ اگست ۱۹۴۲ء کو وہ تحریک شروع ہوئی جس کا نام "کوئیٹ انڈیا" "ہندوستان چھوڑ دو" والی تحریک مشہور ہوا۔ اس میں گرفتار شدگان اکابر سب ہی مراد آباد جیل میں جمع ہو گئے۔

حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حسن پور ضلع مراد آباد میں ایک تقریر کی وجہ سے پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اس دوران جو گرامی نامے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر ہوتے رہے وہ گورنر یا صوبہ دار کے عنوان سے معنون آتے رہے۔ جیسے کہ مکتوباتِ شیخ الاسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

حضرت اقدس مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی (جو جیل ہی کی ریاضتوں کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت سے مشرف ہوئے) حضرت مولانا الحافظ القاری المقری محمد عبداللہ[1] صاحب تھانوی اور حافظ محمد ابراہیم صاحب سب ہی اسی جیل میں تھے۔ چند روز بعد رمضان شریف آگیا تو جیل خانہ کی بارک تراویح گاہ بن

---

[1] آپ کا وطن تھانہ بھون تھا۔ نیکی پارسائی، علمی اور سیاسی بصیرت انتہا درجہ کی خدا نے بخشی تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں مسئلہ ضاد پر اشکالات کا ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "حتیٰ کہ عزیزی قاری عبداللہ آئے ان سے گفتگو کے بعد رفع اشکالات کا ذکر فرمایا تھا" حضرت مولانا مفتی محمودؒ صاحب نے قراءتِ عشرہ ان ہی سے پڑھی ہیں۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں جیل سے آنے کے بعد وفات پائی۔ آپ کی وفات کے عرصہ بعد قبر بیٹھ گئی، جسم مبارک سالم نکلا۔ آپ کی ذات بہت چھوٹی تھی۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو سید، صدیقی، فاروقی اور عثمانی وغیرہ کہلا کر خوش ہو جانے والے حضرات کو جرأت حاصل کرنی چاہیے کہ کل قیامت کے دن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب وہ ہوں گے یا آپ کا وہ امتی ہوگا جو عمل، ورع اور تقویٰ اور اتباعِ سنت سے مزین تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گئی۔ شیخ الاسلام تراویح پڑھاتے تھے اور مولانا حافظ قاری عبداللہ صاحب سماعت کیا کرتے تھے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اکتوبر میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ وہاں شیخ الاسلام سے درس قرآن پاک کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ مگر یہ درس[1] ایک ہفتہ ہونے پایا تھا، کہ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کو مراد آباد سے نینی جیل (الہ آباد) منتقل کر دیا گیا۔

یہ حضرات جن کے لئے یہ جیل خانہ ایک عبادت گاہ اور درس گاہ بن گئی تھی، حضرت اقدس کی مفارقت پر تڑپتے رہ گئے۔

کچھ عرصہ بعد والد صاحبؒ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کو بھی بریلی سینٹرل جیل منتقل کر دیا گیا اور دوسرے بقیہ حضرات کو بھی مختلف مقامات پر۔ والد صاحب جیل ہی میں تھے کہ دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم میں مکتوب ۱۰۰ میں ان کی وفات پر تعزیت فرمائی گئی ہے۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۶۳ھ جون یا جولائی ۴۴ء کا ہے۔

۲۶ اگست ۴۴ء ۶ رمضان ۶۳ھ کو شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی رہائی ہوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو چاہے وہ حضرت قاری صاحب ہوں یا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ہوں رحمہما اللہ و رفع درجاتہما۔ آمین۔

حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہم ایک بار اس بات پر اظہار افسوس فرما رہے تھے کہ فتاویٰ کے نئے ایڈیشن میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی اس تمہیدی عبارت کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جس میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب کا ذکر حضرت نے فرمایا تھا۔ حضرت مفتی صاحب حضرت قاری صاحبؒ کے حالات پر عجیب انداز میں روشنی ڈالتے تھے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ حالات ضبط تحریر میں آجاتے۔

[1] والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ نے یہ درس تحریر فرمالئے تھے۔ جو کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

فوری آرڈر دیا گیا کہ وہ مینی جیل سے باہر تشریف لے جائیں۔ والد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"انگریز کی طاقت بھی جنگ کے اثرات سے مضمحل ہو گئی تھی وہ ہندوستان سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنا چاہتا تھا۔"

مرکزی نظامت اور مراد آباد سے دہلی منتقلی

سہارن پور میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس۔ ۱۱، جمادی الاول ۱۳۶۴ھ م ۶ تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو رکھا گیا۔ جس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ناظم اعلیٰ اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم جمعیت علماء ہند چنا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی عہدہ قبول کرنے کے لئے یہی شرط تھی اور حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا حکم والد صاحبؒ کے لئے دوسری بار تھا۔ اس لئے رفتہ رفتہ مراد آباد کو خیرباد کہنا پڑا۔ ۱۹۴۸ء سے کرایہ پر مکان لے کر اہل خانہ کو مراد آباد سے دہلی بلا لیا اور مستقل طور پر دہلی رہنے لگے درس و تدریس کا مشغلہ چھوڑنا پڑا لیکن اس وقت ملک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتنی تھی۔

موجودہ مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند

دہلی کے محکمہ آثار قدیمہ ہی کی تحویل میں ایک مسجد مسجد عبدالنبی بھی تھی جو نئی دہلی میں ہے اس سے ملحق کافی جگہ تھی وہ آپ کو مرکزی دفتر کے لئے پسند تھی۔ وہ آپ نے محکمہ سے حاصل کی تھی اب بحمد اللہ مرکزی دفتر بن گیا ہے۔ دہلی ہی میں ایک شاہی دور کی وسیع مسجد جو مسجد فتح پوری کے تقریباً برابر ہو گی سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ لب دریائے جمنا ہے۔ اس کا نام غالباً حسن منظر کے باعث "گھٹا مسجد" مشہور ہے انہیں بہت پسند تھی۔ اس کے گرد مکانات بنے ہوئے تھے جن پر شرنارتھیوں[۱] کا قبضہ تھا۔ وہ مسجد آپ نے واگذار کرائی وہاں ایک سہ ماہی تربیتی کورس فضلاء مدارس کے لئے شروع کیا تھا۔ اور خود ہی پڑھاتے تھے۔

---

[۱] شرنارتھی یعنی غیر مسلم پناہ گزین جو پاکستانی علاقوں سے گئے تھے

تقسیم ہند کے بعد ایک جگہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

۱۵ اگست ۴۷ء کے بعد فرقہ واریت کے وہ ہنگامے شروع ہو گئے جو آج تک ختم نہیں ہوئے۔ ان کی داستان طویل بھی ہے اور دردناک بھی ان ہنگاموں نے خدمات کا ایک نیا باب قائم کیا۔ جس کا عنوان "ریلیف" ہے یعنی کشتگانِ ستم کو دفنانا، مجروحوں کے جسم پر دوا کی پٹیاں باندھنا۔ اور زخمی دلوں پر تسکین اور دلداری کا مرہم لگانا، اُجڑے ہوؤں کو بسانا۔

مشرقی پنجاب اور ہماچل میں مسلمان ہندوانہ وضع یا سکھوں کی وضع اختیار کر کے زندگی گذار رہے تھے جہاں تباہ شدہ مسلمانوں کی تعداد ایک فی ہزار رہ گئی تھی۔ جمعیت علمائے ہند کے حضرات نے وہاں دورے کیے حوصلے دلاتے۔ شبینہ مکاتب شروع کیے مسلمان جو چھپے ہوئے تھے برآمد ہونے لگے۔"[1]

اس کے لیے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھویں جماعت تک دینیات کا گیارہ رسائل پر مشتمل ایک نصاب تحریر فرمایا مدد کے لیے تعلیمی چارٹ بھی بنوا تے میں نے دیکھا ہے کہ یہ رسائل وہ باوضو تحریر فرمایا کرتے تھے۔

رسائل دینیہ کا یہ نصاب انتہائی مقبول ہوا۔ ازہر شاہ صاحب قیصر مرحوم رسالہ "دارالعلوم" کے پہلے تعزیتی نوٹ میں جو دسمبر ۷۵ء کے پرچہ میں آیا تھا۔ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جمعیت کی سیاسی خدمات سے دنیا کو متعارف کرانے والے مولانا موصوف ہی تھے دسیوں کتابیں آپ نے لکھیں اور بڑی محنت و جانفشانی سے لکھیں۔ سیاسی علماء پر مولانا کے جو احسانات ہیں وہ بھلائے نہیں جا سکتے۔
مجاہد ملت[2] کے دورِ نظامت میں آپ نے دینی تعلیم کا رسالہ سات حصوں

---

[1] [2] مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ؒ کا یہ لقب انڈیا میں معروف ہے

میں چھوٹے بچوں کے لیئے لکھا اور اسے اپنے اہتمام میں عمدہ کتابت وطباعت سے شائع کرایا اور بحیثیت مصنف اس پر اپنا نام درج نہیں کیا۔ یہ مولانا کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ دینی تعلیم کا رسالہ پورے ملک میں بہت مقبول ہوا اس سے پہلے آپ نے بچوں کے لیئے تاریخ الاسلام نام کا رسالہ تین حصوں میں لکھا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کوئی بچے والا گھران رسالوں سے خالی نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی پچاس کتابوں کے آپ مصنف ہیں"۔ (دارالعلوم بابت ماہ دسمبر ۵۷ء)

یہ رسالے اور ان کے معاون عمدہ چارٹ ایک نہایت عمدہ تعلیمی سیٹ ہے اور اب یہ رسالے گیارہ حصوں میں ہیں۔ بچوں کے لیئے ابتداء سے آٹھویں جماعت تک کے لیئے ان میں آداب و اخلاق عقائد و عبادات اور مسائل سب دلچسپ پیرایہ میں ہیں۔

"علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" دو حصوں میں ہیں۔ دوسرا حصہ ضخیم کتاب ہے۔ اس میں ان علماء کے حالات ہیں، جنہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں یا ان کے معاون رہے۔ یہ کتاب اسی نقطۂ نظر سے شاندار ماضی کی طرح لکھی گئی ہے شاندار ماضی میں ۱۸۵۷ء تک کے حالات اور علماء حق میں ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک علماء کرام کی قربانیوں کا تذکرہ ہے

"جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟" اور مختصر تذکرہ خدمات جمعیت علماء ہند" دو حصوں میں تحریر فرمائیں یہ بھی اسی طرح کی کتابیں ہیں۔

۴۷ء کے بعد ان کی نظر اس چیز پر منعطف ہو کر رہ گئی تھی کہ مسلمانوں کو اسلام پر کیسے قائم رکھا جائے۔ اسی لیئے انہوں نے پارلیمنٹ کی ممبری نہیں قبول کی۔

مجھ سے ایک مرتبہ اس طرح کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مجھے دوبار ہندو مسلم لیڈروں نے متفقہ طور پر بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جانے کی پیش کش کی لیکن میں نے اسے پسند

ل انشاء اللہ یہاں بھی ہم طبع کرا رہے ہیں۔ آٹھ حصے طبع کرا لیئے ہیں باقی ابھی باقی ہیں۔ حامد میاں

نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور قبول کر لینی چاہیئے تھی۔ بہت سے کام ہو سکتے تھے۔ اس پر ذرا خفگی سے جواب دیا کہ "تم بھی ایسی باتیں کرتے ہو" مطلب یہی تھا کہ ان کا ذہن اس طرف متوجہ تھا کہ ایسی تحریرات سامنے آنی چاہیئں جو مسلمانوں کی بقاء اور ترویج اسلام کا ذریعہ بنیں اور ممبر ہونے کے بعد تو آدمی اور کاموں میں پھنس جاتا ہے۔ تحریری کام ممکن نہیں رہتا۔

چنانچہ انہوں نے رفتہ رفتہ ہر موضوع پر کتابیں شائع کرنی شروع کیں اس طرز کی کہ گویا وہ مسلمانوں کو علمی مواد فراہم کر کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔

"اسلام کے اقتصادی اور سیاسی مسائل" کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ ازالۃ الخفاء کا ترجمہ و تشریح کے ارادہ سے کتاب لکھنی شروع فرمائی۔ جس کا نام "عہد زریں" رکھا۔ یہ کتاب علماء میں بہت مقبول ہوئی یہ ازالۃ الخفاء کے ترجمہ کے بجائے ایک مستقل کتاب بن گئی۔ ایک ضخیم کتاب "سیرتِ مبارکہ" کے نام سے سیرتؐ پر لکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب غیر مسلموں کو دعوت دینے ہی کے لئے لکھی ہے۔ اسی لئے اسے سب سے پہلے "انسان" کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔

اس کے بارے میں عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں۔

کتاب جس قدر لوازم ظاہر کے لحاظ سے خوشنما اور دلفریب ہے، اسی قدر معنوی حیثیت سے قابلِ داد اور اعلیٰ ہے۔ سیرت مبارک پر بڑی چھوٹی کتابیں اب تک اردو میں بے شمار لکھی جا چکی ہیں۔ اور بعض بڑی بلند پایہ ہیں (مثلاً شبلی و سلیمان کی سیرت النبیؐ) لیکن یہ سب سے نرالی سب سے انوکھی سب سے البیلی ہے فاضلانہ مگر خشک مطلق نہیں، مختصر مگر مخل کہیں سے نہیں، مفصل مگر بار خاطر کہیں سے بھی بننے والی نہیں۔ عام پسند مگر عامیانہ ہونے سے بھی پاک، ندرت سے لبریز مگر غرابت و اجنبیت سے سراپا پرہیز و گریز۔ اسلوب بیان ایسا کہ بغیر دیکھے اور

پڑھے اس کا ذہن میں آنا دشوار ہے۔ کتاب تمام تر بیسویں صدی کے ناظرین کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ الخ، کیا اچھا ہو کہ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو جائے"۔

اخلاقیات پر والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کا نام "مشکوٰۃ الآثار" ہے۔ انہوں نے اس کا نسخہ بھیجا کہ محمود میاں اور وحید میاں کو یہ پڑھائیں۔ اور تحریر فرمایا:

موطا امام محمد سے آغاز بہت بہتر ہے۔ (میں نے مدرسہ میں شرح وقایہ کے ساتھ موطا امام محمد پڑھوانا شروع کی تھی۔ اس کی اطلاع دی تھی کہ دونوں فلاں فلاں کتابیں پڑھ رہے ہیں) مگر مشکوٰۃ الآثار بھی ضرور پڑھوایئے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کو حفظ کرایا جائے۔ فقہی مسائل کے متعلق احادیث پر تو بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اخلاقیات کے متعلق صرف مشکوٰۃ کا نصف آخر ہے۔ مگر وہ عموماً نہیں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھایا جاتا ہے تو اس کو اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ مشکوٰۃ الآثار میں اسی کوتاہی کی تلافی کی کوشش کی گئی ہے کہ طالب علم ابتدا ہی میں اخلاقیات سے بھی واقف ہو جائے۔ اور شفیق استاد ہو تو ان پر عمل کی تربیت بھی کرتا رہے! الحمد للہ ہندوستان میں اس کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے۔ اب عربی حروف کے ٹائپ سے طباعت کا انتظام ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ مکمل فرمائے"۔ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں بھی داخل ہو گئی ہے۔

اور نورالایضاح کا ترجمہ اور شرح بھی ان کی پرانی تصنیف چلی آرہی ہے۔ تاریخ الاسلام اور ہمارے پیغمبر تو بچوں کے لئے ان کی ابتدائی تصانیف تھیں اور دینی تعلیم کے رسائل آخری دور کی تصانیف میں داخل ہیں۔

اہتمام مدارس کی ذمہ داریاں جولائی ۵۵ء میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی مہتمم جامعہ قاسمیہ مراد آباد کی وفات کے بعد سے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اہل مراد آباد نے وہاں کا مہتمم مقرر

کیا۔ یہ اہل مراد آباد کی محبت اور تعلق ہی تھا۔ آپ نے آخری وقت تک اسے نبا ہا بحمد اللہ مدرسہ بھی ترقی کرتا رہا۔ آپ نے وہاں " ادارۃ حفظ الرحمٰن" ایک وسیع جگہ لب دریا[1] لے کر وسیع پیمانہ پر قائم کیا۔ وہاں ہی آجکل[2] مولانا ارشد صاحب۔ ابن حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ تقریبًا چار سال سے کام کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ عہدہ نظامت سے کنارہ کش ہو گئے تھے علمی تصنیفی مشاغل زیادہ ہو گئے تھے۔ پھر مراد آباد کے علاوہ دہلی کے چار مدارس کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا۔ ادارہ المباحث الفقہیہ کے رئیس اور اوقاف جمعیۃ کے چیئرمین تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ اور عاملہ کے رکن تھے۔ وہاں بھی بیشتر شوریٰ وغیرہ کی کارروائیاں ان کے دست مبارک سے لکھی جاتی تھیں۔ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کے علاوہ ہدایہ اخیرین بھی پڑھاتے تھے وہاں کے صدر مفتی تھے۔ یہ سب کام آخر وقت تک جاری رہے۔ افتاء کا کام جو مراد آباد میں اور مدرسہ امینیہ میں انجام دیا ہے۔ نیز نظامت جمعیۃ کے دوران بھی جو فتاویٰ تحریر کئے ہیں وہ اگر کبھی جمع کئے گئے تو یہ بھی ان کے علمی کام کا ذخیرہ ہوگا۔

ان کے مکاتیب بھی علمی افادیت سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ مجھے ایک دفعہ تحریر فرمایا کہ ذہن میں آتا ہے کہ ظہر کی نماز سے جو تعلیم صلوٰۃ شروع ہوتی ہے وہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ اقم الصلوۃ لدلوک الشمس کے حکم کے مطابق ہوئی ہے۔ یہ آسان توجیہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب جب وزارت پر فائز ہوئے تو ان کے نام ایک گرامی نامہ میں چند نصائح اور مبارک باد تحریر فرمائی تھی۔ اس کا پورا مضمون تو

---

[1] مراد آباد سے جو دریا گذرتا ہے اس کا نام رام گنگا ہے یہ بھی بڑے پاٹ کا دریا ہے۔ رام گنگا اور گنگا الگ الگ دو دریا ہیں۔ [2] مگر آجکل مولانا ارشد صاحب دارالعلوم دیوبند میں پڑھا رہے ہیں اور مولانا رشید الدین صاحب جو حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے داماد ہیں جامعہ قاسمیہ کے مہتمم ہیں

مجھے یاد نہیں البتہ نصیحت میں ایک آیت بھی تحریر فرمائی تھی "ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا" والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے علمی گرامی نامے بہت لوگوں کے پاس ہوں گے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ مہیا ہو سکیں۔ جناب حاجی عبدالحی خاں صاحب ۵/۳/۴ دستگیر کالونی نے ان کا ایک والا نامہ مع ایک کارنامہ کے ارسال فرمایا ہے جو ایک مذہبی خاص معاملہ میں ہے۔ خاں صاحب موصوف اس زمانہ میں مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے اور اب عرصہ سے پاکستان میں ہیں۔

"سیرت مبارکہ" سے پہلے "شواہد تقدس" سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر مودودی صاحب کے اعتراضات کے جوابات میں تحریر فرمائی تھی۔

حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور دیگر اکابر مجاہدین کی حیات طیبہ پر کتاب لکھی ہے جو ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔ اس کا نام "اسیران مالٹا" رکھا ہے۔

وفات سے ایک سال قبل والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تحریر فرمایا تھا کہ جب حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے خود نوشت سوانح حیات تحریر فرمائی تو میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ "یہ سوانح حیات تو نہیں۔ نقش حیات ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کو یہ جملہ پسند آیا تو آپ نے اس کا نام "نقش حیات" ہی رکھ دیا۔ اسی گرامی نامہ میں یہ اطلاع بھی تھی کہ اب آپ (ہ ۔ ۔) میں حضرت مدنی رحمہا اللہ تعالیٰ کی سوانح حیات تحریر فرما رہے ہیں بعد میں چھوٹے بھائی کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ طبع ہونے والی ہے۔

وفات سے ایک سال قبل ہی آپ نے انڈیا آفس لائبریری کی سی آئی ڈی کی رپورٹوں سے "تحریک شیخ الہند" کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی۔ جس کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند نے اپنے قصر صدارت میں غالباً ۵ جولائی ۵ ء کو کیا۔ افتتاحی مقالہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے پڑھا۔ وزیر اعظم، دیگر وزراء، ارکان اسمبلی اور معززین سمیت

---

[1] شانِ امارت، مٹی کی طرح سیرۃ مبارکہ اور شواہد تقدس بحمد اللہ یہاں طبع ہو گئی ہیں۔ تحریک شیخ الہند۔ سیاسی و اقتصادی مسائل اور دینی تعلیم کے رسائل کے آٹھ حصے بحمد اللہ یہاں طبع ہو گئے ہیں۔

[2] مگر اب خاں صاحب وفات پا چکے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

پانچ ہزار اہلِ علم و دانش کو مدعو کیا گیا تھا۔ کیونکہ ہندوستان میں مسلم مجاہدین آزادی کے کارناموں پر پردہ ڈال کر تاریخ کو مسخ کیا جا رہا ہے اور شاید اسی بنا پر جناب فخرالدین علی احمد صاحب نے اس کے افتتاح و نشریات کا اتنے بڑے پیمانے پر اہتمام فرمایا۔ تاکہ جہادِ آزادی شروع سے آخر تک جاری رکھنے والے طبقہ کی تاریخ سامنے لائی جاتے حقیقتاً جدوجہد آزادی شروع کرنے والے اور اسے پروان چڑھانے والے حضرات میں خصوصاً طبقۂ علما ہی تھا نہ کہ نواب، جاگیردار اور سر وغیرہ کے خطابات حاصل کرنے والے لوگ۔ یہ لوگ تو خال خال ہی ہوں گے۔ جنہوں نے جدوجہدِ آزادی میں حصہ لیا ہو۔ اسی طرح غیر مسلم حضرات بھی ان کے پیچھے پیچھے رہے ہیں نہ کہ قائد و مقتدا۔

اعزازات اسی زمانہ میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکومت ہند کی طرف سے وظیفہ مکان کی سہولتوں وغیرہ کی پیش کش کی گئی۔ تامبر پتر بھی دیا گیا جس پر کارنامے کندہ ہوتے ہیں اور وزیر اعظم کے دستخط ثبت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جدوجہد آزادی میں پانچ مرتبہ گرفتار ہوئے تھے۔

تامبر پتر انہوں نے رکھ لیا اور یہ فرما کر رکھا کہ یہ میں اس لئے لے رہا ہوں کہ جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی شمار میں اس سے اضافہ ہو گا۔ باقی چیزیں نہیں قبول کیں۔

اتباعِ اسلاف حضرتِ اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ چیزیں اور سرکاری لقب پیش کیا گیا تھا انہوں نے بھی یہ تختی رکھ لی تھی باقی چیزیں قبول نہیں فرمائی تھیں، اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

محدثات میں احتیاط اجتناب رشید میاں سلمہ نے ان کی خدمت میں آٹو گراف کے لئے کچھ کارڈ بھیج دیئے۔ اس پر انہوں نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا کہ جس سے ان کی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اُن میں بس درجہ دین پر استقامت اور جذبۂ تبلیغ و اصلاح غالب تھا۔

"آٹوگراف وغیرہ محدثات میں سے ہیں ایاکم والمحدثات اپنے بزرگوں کے طریقے معلوم کرو عضّوا علیہا بالنواجذ۔ یہ تقشف وتصلب نہیں بلکہ دین متین کو اصل خدوخال میں باقی رکھنے کی صورت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اتباعِ سلف کی توفیق بخشے۔ یہی سعادت عظمیٰ ہے اور عالم دین کے لئے یہی حقیقی ترقی۔" ہمیں یہ والانامہ ان کی وفات کے بعد جمعہ کے دن نماز کے بعد موصول ہوا جو ہم سب کے لئے وصیت کا درجہ رکھتا ہے اور وصیت مسنونہ کے انتہائی قریب ہے' وباللہ التوفیق وھو المستعان۔ یہ مکتوب انہوں نے ہمشیرہ سے تحریر کرایا ہے۔ کمزوری کی وجہ سے خود نہیں تحریر فرما سکے مگر مذکورہ سطور خط کے آخر میں خود اپنے قلم سے تحریر فرمائی ہیں۔

عبادات جمعیۃ علماء کی نظامت کے فرائض کے دوران بھی کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ نماز باجماعت میں کوتاہی ہو۔ سوائے اس کے کہ حضرت مدنی قدس سرہ دفتر میں تشریف فرما ہوں اور وہ مسجد میں نہ جاسکیں تو دفتر ہی میں حضرت کے ساتھ جماعت میں شرکت فرماہوتے تھے۔

بعد مغرب نوافل میں قرآن پاک یاد رکھنے کے لئے کافی دیر تک تلاوت فرماتے تھے۔ صبح کو نماز فجر کے بعد ٹہلنے جاتے تھے اس وقت بھی تلاوت فرماتے تھے واپس آکر نوافل اشراق پڑھا کرتے تھے۔

۶۴ء میں مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے حفظ قرآن پاک مکمل کرادیا ہے گویا محققانہ معیار پر تصنیف وتالیف، درس وتدریس، اہتمام مدارس، اسفار اور مکاتبت اور ملاقاتوں وغیرہ جیسے سب کام جاری رکھتے ہوئے حفظِ قرآن پاک کی تکمیل بھی فرمائی یہ برکت اور توفیق ہی تھی رحمہُ اللہ ورفع درجاتہ۔

شدتِ ضعف وعلالت رمضان المبارک سے قبل الانامہ صادر ہوا تھا اس میں اپنی کمزوری کا حال تھوڑا سا تحریر فرمایا تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر کا ناتمام حصہ "ان یشأ یبارک

علی اوصال شئی ممنوع بھی۔ میں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا تو تحریر فرمایا، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان بے حقیقت ہے۔ چند اعضاء کے جوڑ کا نام انسان ہے، خالق انسان جب تک چاہے یہ جوڑ باقی رکھے، جب چاہے توڑ دے وہ جبار ہضیم بھی ہے"۔ لیکن وفات کی خبر کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ بقول ابو نواس ؎

دَبَّ فِيَّ الفناء سفلاً وعلوا

وارانی اموت عضوا فعضوا

کی کیفیت محسوس فرمارہے تھے، لیکن توفیق شامل حال تھی ہر وقت مصروف نظر آتے تھے۔ جس سے میرے علاوہ دہلی میں اپنے گھر کے اندر موجود رہنے والوں کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں۔ رمضان المبارک میں جو والا نامہ صادر ہوا اس میں اس بات پر بہت اظہار قلق فرمایا تھا کہ میں کمزوری کے باعث مسجد تک بیس منٹ میں راستہ طے کر پاتا ہوں! اس بناء پر ظہر اور عشاء کے علاوہ جماعتوں میں شرکت نہیں کر سکتا۔ آخر وقت تک عزیمت ہی پر عمل چاہتے رہے۔

خونی بواسیر سب سے بڑا عارضہ تھا۔ جس کا دورہ اس سال ۱۵ رمضان سے شروع ہوا۔ اس میں اس قدر شدت ہوتی تھی کہ بدن کا جیسے سارا خون نکل گیا ہو لیکن اس کے باوجود میرے پھوپھا صاحب کی وفات پر ۱۹ رمضان کو سفر مراد آباد کیا اور روزہ سے رہے۔ صرف تین روزے قضا ہوئے اور تین دن تراویح نہیں پڑھ سکے۔ اس حالت میں جتنے کام وہ کرتے تھے وہ بغیر توفیق مبداء فیاض کے ناممکن ہیں۔

حقوق العباد رشتہ داروں سے حسن سلوک اور شفقت عامہ

حسن اخلاق اور حقوق العباد پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ تمام ہی رشتہ داران کے رہین منت رہتے ہیں وہ سب کے لئے باپ کی سی شفقت رکھتے تھے اور ان کی امداد کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

اس قدر مشغولیت کے باوجود ہر رشتہ دار کے یہاں کبھی نہ کبھی جاتے رہتے

کا وقت نکال لیتے تھے چاہے دس ہی منٹ بیٹھیں۔ میرے چچا سید احمد میاں عرصہ سے علیل ہیں صبح کو ٹہلنے کے بعد واپسی پر ان کے یہاں روزانہ تشریف لے جاتے تھے اور صرف پانچ چھ منٹ بیٹھ کر تشریف لے آتے تھے۔ انک لتصل الرحم وتحمل الکل وغیرہ پر عمل فرماتے تھے۔ جو رفتہ رفتہ طبیعت بن گیا تھا اور نہایت ہی عجیب بات یہ تھی کہ وہ صرف یہ خیال رکھتے تھے کہ دوسرے کا حق ان پر کیا ہے۔ اس لئے اس کی ادائیگی حق کے لئے کوشاں رہتے تھے اور ہمیشہ ممنون اور یہ جانتے ہی نہ تھے کہ ان کا حق دوسرے پر کیا ہے اور وہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟

ان کی شفقت بڑھتے بڑھتے شفقت عامہ کے درجہ میں داخل ہو گئی تھی۔ ایک روز شام کے وقت پکانے کے لئے سبزی لے آئے۔ حالانکہ ہمیشہ میرے بھائی سودا لاتے ہیں۔ والدہ نے دیکھا تو وہ تقریباً نصف خراب تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا لے آئے ہیں آدھی تو خراب ہی ہے۔ فرمایا اس سبزی والے کے پاس یہی رہ گئی تھی۔ اور اب اس سے کون خریدتا اور صبح تک اس کی ساری ہی سبزی خراب ہو جاتی اس لئے میں لے آیا۔

سلوک (تصوف) حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم سلوک ۶۳ء کے قریب قریب مکمل فرما دی تھی۔ سلوک کا آخری سبق ان تعبد اللہ کانک تراہ ہے جسے احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور اہلِ طریقت اس مراقبہ کا نام مراقبۂ ذات مقدسہ، مراقبۂ ذاتِ بحت اور لاتعین وغیرہ رکھتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے "التکشف" میں تحریر فرمایا ہے۔

مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص۳۴۲ مکتوب ۱۳۱ سے جو مولانا مظفر صاحب دیوبندی کے نام مکاتیب ہیں۔ وہ ۴۴ء میں نینی جیل سے تحریر فرمائے گئے! اسی

مضمون کے ہیں۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اسم مبارک منظفر میاںؒ تھا۔ (اور میرے چچا مدظلہم کا نام منظفر علی ہے) یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کی طبیعت میں اخفار حال و دلیعت رکھا گیا تھا۔ اس لئے اپنا مشہور نام طبع نہیں کرایا۔

بہرحال حضرت اقدس تحریر فرماتے ہیں:

اما ما ذکرتم من الذکر ومشاھدۃ القلب فمبارک زاد اللہ ھذہ المساعی والمشاھدات۔

بہرحال ذکر قلبی اور مشاہدہ جیسا کہ تذکرہ آپ نے کیا ہے تو وہ مبارک ہے اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مشاہدات میں ترقی دے۔

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر ہے:

فعلیک یا اخی بتوجیہ القلب الی الذات البحت مہما امکن۔ فان ذکر اللسان لقلقۃ وذکر القلب وسوسۃ وذکر الروح ھو المذکر۔

لہٰذا برادر من تم پر لازم ہے جہاں تک ہوسکے ذات بحتہ مقدسہ کی طرف دل کو متوجہ رکھو۔ (مکتوب میں آگے صوفیہ کرام کا مقولہ تحریر فرمایا ہے) زبان سے ذکر لقلقہ ہے اور دل سے ذکر وسوسہ ہے اور ذکر روح ہی حقیقی ذکر ہے۔

یہ مکتوب گرامی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کا ہے۔

پھر مکتوب گرامی ۱۲۱ میں اس کی مزید تشریح فرما کر بتلا دیا ہے:

اما الذکر الروحی فذلک التوجہ بالقلب الی الذات البحتۃ التی مُنَزَّھَۃ عن الکم والکیف وسائر الاعراض۔ الخ

ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات خاص کی طرف جو کم اور کیف اور جملہ اعراض سے منزہ ہے یہ مکتوب گرامی ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ کا ہے۔

اسلام میں سب سے بڑی نعمت اسی مراقبہ کا حصول ہے اسی کا نام معرفت ہے۔ یہی وصول الی اللہ ہے۔ یہی سلوک کا آخری سبق ہے۔ یہیں سے سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے ان کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا۔ خدا کرے

اب عالم آخرت میں بھی اس "صلاۃ" کا سلسلہ جاری ہو۔

وفات

رمضان علالت میں گذرا۔ رمضان کے بعد ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ خون چڑھانا ضروری ہے۔ جسے انہوں نے پسند نہ فرمایا۔ اس کا بدل جوس وغیرہ تھے۔ لیکن اتنی غذا کی اشتہا ختم ہو چکی تھی کہ وہ بھی نہیں پیا جاتا تھا۔ بالآخر کمزوری بڑھتی گئی۔

ایک عزیز حافظ طاہر صاحب وفات سے دو دن پہلے مزاج پرسی کے لئے آئے تو فرمانے لگے بھائی میں تو یہ آیت تلاوت کر رہا ہوں فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین اور انتظار میں ہوں کہ کب روح پرواز کر جائے۔

آخری شب عشاء کی نماز اذان ہوتے ہی پڑھی۔ پھر سانس میں دقت محسوس ہونے لگی ڈاکٹروں اور حکیم اجمل خان کے پوتے ڈاکٹر علیم صاحب کے مشورہ سے ہسپتال میں اوکسیجن کے لئے لے جانا ضروری سمجھا گیا تو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے وہاں داخلہ ہوا اگلے روز صبح سے وقفہ وقفہ سے "سبحان اللہ" وغیرہ کلمات فرماتے رہے کوئی بات کرتا تھا تو اس کا جواب عنایت فرماتے رہے، لیکن کمزوری کے باعث آواز بہت ہلکی تھی۔ شام کو سب کا خیال ہوا کہ گھر لے جایا جائے۔ خود والد صاحب نے بھی یہی فرمایا۔ لیکن خون کی تین الٹیاں آئیں۔ اس کے بعد طبیعت جیسے پُرسکون ہو گئی۔ ساڑھے پانچ بجے ڈاکٹر راؤنڈ پہ آئے۔ ان سے گھر لانے کی اجازت لے لی گئی۔ ڈاکٹر کی اجازت ملتے ہی گلوکوز کی بوتل الگ کر دی گئی۔ اس سے ان کے چہرہ پر مزید سکون ظاہر ہوا لیکن گھر لے جانے نہ پائے تھے کہ حالت اور طرح کی محسوس ہونے لگی۔ خطوط میں تحریر ہے کہ :

ہر سانس پر اللہ اللہ کا ذکر جاری تھا۔ عزیزوں میں سے دو حضرات نے زیر لب تلاوت شروع کر دی اسی اثناء میں ایک اور عزیز حافظ طاہر صاحب پہنچے انہوں نے سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی پڑھ کر دم کرتے رہے۔ اور چمچہ سے پانی دیتے رہے۔ اسی دوران تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سبحان اللہ باآواز بلند کہا۔ سب ہی

نے سُنا تیسری بار آنکھیں بھی کھلیں اور جیسے چاروں طرف نظریں گھومتی ہوئی آہستگی سے جھک گئیں اس وقت طاہر صاحب سے فرمایا کہ "اب ادھر دیکھو" اللہ اللہ کی آواز اب اور آہستہ ہوتی چلی گئی۔ اور اسی کے ساتھ آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ نہ کوئی جھٹکا نہ تشنج نہ گھبراہٹ بے حد سکون چھاتا چلا گیا۔ چہرہ پر ایسی ابدی مسکراہٹ رقصاں تھی کہ دیکھنے والوں کو سکون عطا کر رہی تھی۔ ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء سہ شنبہ ساڑھے چھ بجے وفات ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلنا وله وتغمدنا وایاه برحمتك ورضوانك وادخله الفردوس الاعلیٰ من جنانك واجعلنا وایاه ممن یدخلون الجنة بغیر حساب۔

ان کے لئے مفتی عتیق الرحمٰن اور قاضی سجاد صاحب نے حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے قریب قبر کا انتظام کیا تھا لیکن والد صاحب کو مسجد عبد النبی کے قریب جو گور غریباں ہے وہ بہت پسند تھا۔ وہیں انہوں نے اپنے پھوپی زاد بھائی سید عقیل صاحب کے لئے ۱۲ رمضان ۹۵ھ کو جگہ تجویز کی تھی اور اظہار کیا تھا کہ انہیں اپنے لئے بھی یہ جگہ پسند ہے۔ یہ قبرستان بہت قدیم ہے۔ دہلی میں دہلی دروازہ کے باہر ہے۔

نماز جنازہ شاہ ابو الخیر قدس سرہٗ کے جانشین مولانا زید صاحب نے پڑھائی مولانا اسعد صاحب مدنی غالباً دورۂ مدراس پر تھے البتہ مولانا ارشد صاحب پہونچ گئے تھے۔ جنازہ میں تمام مسلم وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء بھی شریک ہوئے۔ ریہ

لہ دہلی سے رشتہ داروں کے سب خطوط میں یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے جو اشارہ کیا وہ ملائکہ کی طرف تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب کے ذہن میں یہی بات آئی ہے۔ جو قرین قیاس ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ۔ اور استقامت کا سال ان کے آخری گرامی نامہ سے واضح ہے۔

مجھے حاجی عبدالغنی صاحب کلکتہ والوں نے لکھا ہے وہ نظام الدین تبلیغی جماعت میں آتے ہوتے تھے اور نماز میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ اسہال کی شکایت کے باعث بہت کمزور تھے اور سہارن پور میں قیام تھا۔ اس لئے سفر کے قابل نہ تھے مگر وہاں سے سب لوگوں کو دہلی بھیج دیا حتی کہ اپنے خاص خدام کو بھی ارشاد فرمایا کہ ہم سب کو وہاں ہونا چاہیے تھا اور جنازہ میں شریک ہونا چاہیے تھا۔ لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں۔ مگر آپ لوگ شرکت کریں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

میں اسی قدر ٹوٹا پھوٹا بے ربط مضمون ہی مرتب کر سکا ہوں انشاء اللہ کسی وقت اس سے زیادہ مرتب کر سکا تو وہ بھی پیش خدمت کروں گا۔

خادم ... جامعہ مجددیہ
نور آباد - فتح گڑھ - سیالکوٹ